

جماعتوں، اور بعض اوقات متضاد و متناقض رجحانات میں مصالحت و مفاہمت کی کامیاب کوشش، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مولانا روم کی اس حکیمانہ وصیت پر پورا عمل تھا۔ تو برائے وصل کردن آمدی: نے برائے فصل کردن آمدی

نیز خواجہ حافظ کے اس شعر پر بھی وہ پورے طور پر کاربند تھے۔

اساس گیتی تفسیرِ حق است: بادوستاں تملطف بادشمنان مدارا۔
بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ مختلف نقطہ نظر پوری خطابت اور زور استدلال کے ساتھ سامنے آئے، اور نظر آنے لگا کہ شاید آستینیں چڑھ جائیں۔ کہ مفتی صاحب کے چند فقروں نے اس جوش کو ٹھنڈا کر دیا۔ مختلف جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنے کی جیسی صلاحیت ان میں دیکھی گئی، کم قائدین میں دیکھنے میں آئی ممکن ہے بعض ”ماہرین نفسیات“ اور ناقدین اس کو ان کی کمزوری اور ضرورت سے زیادہ بڑھی ہوئی خوش خلقی و مروت پر محمول کریں، لیکن جب ملت میں انتشار ہو مختلف جماعتیں اور مکاتب خیال کسی نہ کسی درجہ میں عصبیت سے متاثر ہو تو ایسی ”مرجان مرج“، ”علم و بردبار اور بے ہمت شخصیت کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی ہے، اور آج یہ خلا مفتی صاحب کے انتقال کے بعد نہ صرف مجلس مشاورت کے دائرہ میں (جس کا منصب صدارت ابھی تک خالی ہے) بلکہ ملت کے دائرہ میں بھی محسوس ہوتا ہے۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے اتنا عرض کرتا چلوں کہ مجلس کے طویل و وسیع دوروں میں ہیں دو باتوں کی خاص کوشش کرتا تھا، ایک یہ کہ قیام (علمی، دینی اور طبغی مناسبت کی وجہ سے)، ہمیشہ مفتی صاحب کے ساتھ رہے، دوسرے مناسبتیں (خصوصاً جہزی) انہیں کی امامت اور اقتدا میں پڑھی جائیں، اس لئے کہ مفتی صاحب کی تلاوت میں بڑی حلاوت تھی، وہ بھی رفقا و سفر میں مجھ پر خاص طور پر شفقت

فرماتے تھے، اور مانوس و بے تکلف تھے، اسی تعلق و محبت کی بنا پر میری درخواست پر ۱۹۷۸ء میں وہ رائے بریلی تشریف لائے اور واپس جا کر بڑی محبت کا خط لکھا جس کے لفظ لفظ سے خلوص و مسرت کا اظہار ہوتا ہے۔

مفتی صاحب کی محبت اور تعلق کی بات تھی کہ انھوں نے کئی بار مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی کوئی تصنیف ندوۃ المصنفین کو دو، اور اس کی طرف سے اسکی اشاعت ہو ۱۹۷۸ء کی ابتداء کا کوئی مہینہ تھا، کہ تذکیر گجرات میں محترمی مولانا غلام محمد رضا نورگت کے دولت خانہ پیرجن کا مفتی صاحب سے خاص تعلق تھا، اور میرے بھی بزرگ اور کرم فرماہیں، اس کا ذکر آیا، اور میں نے اپنی کتاب مسیحات عبدالحی عجبوا انھیں دنوں میں مرتب و مکمل ہوئی تھی۔ ندوۃ المصنفین کو پیش کرنے کا وعدہ کیا مفتی صاحب نے اس پر اپنی بڑی خوشی کا اظہار کیا اور بڑی توجہ اور اہتمام کے ساتھ وہ نومبر ۱۹۷۸ء میں ندوۃ المصنفین کی طرف سے شائع ہو گئی، مجھے بھی مفتی صاحب کی ایک خواہش فرمائش کی تعمیل کی مسرت و سعادت اور کتاب کو ندوۃ المصنفین جیسے موقر تصنیفی ادارہ کی مطبوعات میں شامل ہونے کی عزت حاصل ہوئی، اور وہ الحمد للہ علمی ادبی حلقوں میں پسند کی گئی، مفتی صاحب کی اجازت سے ادارہ نشریات اسلام نارتھ ناظم آباد نے اس کا پاکستانی ایڈیشن بھی شائع کیا۔

مفتی صاحب اخیر میں چند شدید بیماریوں کا شکار رہے، لیکن مزاج میں جو مروت اور لینت، پُرانے تعلقات کا پاس و لحاظ اور اخلاق و ایثار کا جو جوہر تھا وہ ضروری آرام و احتیاط میں بھی غفل ہو جاتا تھا، یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے بہت سے قدیم عارض اور جدید تکلیفوں کے باوجود دار المصنفین کے اس سمینار میں شرکت ضروری سمجھی جو اسلام اور مشرقین کے عنوان پر ۲۶ - ۲۸ ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ ۲۱ - ۲۳ فروری ۱۹۸۲ء کو دار المصنفین کی طرف سے اس کے زیر اہتمام

شبلی نیشنل پوسٹ گزٹ بحویٹ کالج اعظم گڑھ میں منعقد ہوا، اسی سفر سے واپسی پر دریا آباد کے اسٹیشن پر ان پر اچانک فوج کا حملہ ہوا، یہ انتظام غیبی تھا کہ مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی اور چند غلص احباب و رفقا خاص ہمسفر تھے، لکھنؤ کے طبی امداد کے اسٹیشن پر پہنچ جانے کی اطلاع کر دی گئی، وہاں مفتی صاحب کو اتار لیا گیا، مفتی صاحب کے نیاز مندوں اور ندوۃ العلماء سے تعلق رکھنے والے احباب و خدام نے اپنی ذمہ داری کا پورا احساس کیا، اور حصول سعادت اور خدمت کو غنیمت سمجھا، راقم سطور بھی لکھنؤ میں موجود تھا، وہ بھی اس سعادت میں شریک رہا، مفتی صاحب کو بلرام پور ہسپتال میں داخل کر دیا گیا، دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ نے دین و ملت کے اس ”ہما“ کی پذیرائی میں کوتاہی نہیں کی، جو قسمت سے اڑ کر ان کے پاس پہنچ گیا تھا، خیال تھا کہ جب تک آرام نہ ہو جائے مفتی صاحب یہاں سے تشریف نہ لے جائیں، لیکن گھروالوں کا تقاضہ غالب آیا اور یہ خیال ہوا کہ ان کا حق زیادہ ہے اور شاید وہاں مفتی صاحب کو قلبی و روحانی سکون اور طمانینت ملے اس لئے بادل ناخواستہ یہ جدائی گوارا کی گئی، لیکن کچھ عرصہ کے بعد ہی وہ سعادت مقرر آگئی، جس کے متعلق فرما دیا گیا ہے کہ

لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ

اور نہ صرف ندوۃ المصنفین بلکہ وہ سب دینی ادارے جس کے وہ رکن و مشیر اور معاون و رفیق تھے، نہ صرف دہلی جوان کا مسکن اور دیوبند جوان کا وطن تھا، بلکہ برصغیر ہند (ہندوستان و پاکستان) ان کی رہنمائی، احسانیت رائے سلامت فہم اور مختلف انجیال لوگوں میں وصل و جمع کی صلاحیت سے محروم ہو گیا، رحمۃ اللہ رحمتہ واسعہ

مفتی صاحب کے لئے تقدیر الہی میرے لئے توفیق و سعادت کی بات

تھی کہ مفتی صاحب کی وفات کا واقعہ پیش آیا تو میں حجاز مقدس میں تھا، مجھے دہلی کے ٹیلیفون سے اس کی بروقت اطلاع ملی، میں نے اسی وقت سعودی ریڈیو اسٹیشن سے رابطہ پیدا کیا اور عزیز مولوی نصار رفیع ندوی انچارج شعبہ اردو جدہ ریڈیو اسٹیشن کو اپنی قیام گاہ پر بلا کر مفتی صاحب کے حادثہ ارتحال اور ان کی شخصیت، خدمات و کمالات پر ٹاک ریکارڈ کرائی، جو اسی دن نشر ہوئی اور اسی کے ذریعہ حجاز مقدس اور سعودی عرب کے دوستوں اور اہل تعلق کو حادثہ کا علم ہوا مجھ سے جو کچھ بن آیا۔ مفتی صاحب کے رفیع درجات کے لئے دُعا اور طواف کی سعادت حاصل کی اور اپنے غلص احباب کو بھی اس کی ترغیب دی۔ اندازہ ہے کہ بہت سے غلصین نے یہ سعادت حاصل کی، اور مفتی صاحب کے لئے دُعا و طواف کے ذریعہ ایک جلیل القدر عالم اور خادم ملت کے لئے دعا اور ایصال ثواب کر کے اپنے لئے بھی قبولیت اور ترقی دینی کا سامان کیا، شاید کم مشاہیر و زعماء کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو، کہ اس قدر جلد ان کے لئے دیار مقدس میں دُعاے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام ہوا ہو۔

وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ — — —



The Saudi Arabian Ambassador

Dear Madame,

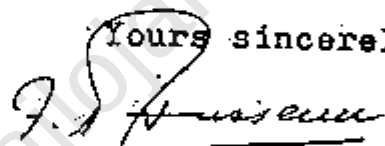
15th May 1984.

I noted with deep grief and sorrow, the demise of your late husband Mufti Atiqur Rehman.

I express my deep sorrow and sincere condolences to you and the family members on this irreparable loss of a great man who had rendered innumerable services to Islam and to the muslims.

I pray to God that his soul may rest in peace.

Yours sincerely,



Fouad S. Husseini

TO:

Mrs. Atiqur Rehman
Maktaba Burhan
Urdu Bazar
Delhi-110006

حکیم شریف الدین بقائی
 رحمہ اللہ



پروقتار شخصیت، سفید لباس، مناسب قد، سیاہ ادنیٰ بار کی ٹوپی، پیکر اخلاق
 یہ تھی مفتی صاحب کی شخصیت، جیسا کہ سب سے پہلے بچپن میں میں نے انھیں دیکھا
 یہ غالباً ۳۵، ۳۶ سال پہلے کی بات ہے میسر والد حکیم شریف الدین بقائی حسنا
 کے پاس دو اخوان میں اکثر حضرت تشریف لاتے اور نہایت متانت اور سنجیدگی کے
 ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی، دوران گفتگو کبھی میں نے مفتی صاحب کو
 تیز آواز میں بولتے یا ہنستے نہیں دیکھا، مجھ سے بھی نہایت مشفقانہ انداز میں خیریت دریا
 کرتے، میرے دل میں حضرت کیلئے بیحد احترام اور محبت پیدا ہو گئی۔ میں اسکول کی منزلوں
 سے گذر کر کالج تک پہنچا، پری میڈیکل کے بعد میڈیکل کالج میں داخلے کے لئے مختلف
 جگہوں پر درخواستیں اور کوششیں کیں، یہ اگست ۱۹۶۵ء کی بات ہے، اچانک ہندوستان
 اور پاکستان میں کشمیر کے مسئلہ کو لیکر اختلافات شروع ہو گئے۔ اور اگست کے اخیر
 میں پہلی ہند پاک جنگ شروع ہو گئی جس میں ہندوستان نے لاہور پر اور پاکستان نے
 کشمیر پر حملہ کر دیا۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۶۵ء کو کشمیر میڈیکل کالج سے داخلے کی اطلاع بذریعہ ٹیلیگرام
 موصول ہوئی دل کی کیفیت عجیب کہ داخلہ بھی ملا تو ایسی حالت میں کہ گھر والے کسی قیمت
 پر بھی نہیں راضی ہونگے، ۵ ستمبر کو جنگ بندی ہوئی اور ستمبر کے دوسرے ہفتے میں حالات

ذرا بہتر ہوئے تو پھر خیال آیا کہ کوشش کریں شاید گھروالے اجازت دیدیں ڈرتے
ڈرتے والد صاحب کے سامنے ٹیلیگرام رکھ دیا، نتیجہ ظاہر تھا فوراً انکار ہو گیا دماغ
پریشان کہ مستقبل خطرے میں ہے، تھوڑی دیر بعد حضرت مفتی صاحب تشریف لائے
مجھے افسردہ دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے حکیم صاحب نے پوری بات بتائی، فوراً فرمایا
کہ حکیم صاحب جانے دیجئے یہ وہاں زیادہ محفوظ رہے گا اور نہ جانے کمن الفاظ میں حکیم صاحب
کو سمجھایا کہ وہ نیم راضی ہو گئے میں نے اسی وقت جا کر جہاز کی سیٹ بک کرائی اور اگلے
دن سری نگر روانہ ہو گیا۔ مفتی صاحب کا یہ وہ احسان تھا جسے میں کبھی نہیں بھول سکوں گا
جب بھی میں دہلی آتا، مفتی صاحب سے ضرور ملاقات ہوتی خیریت پوچھتے، حالات پوچھتے
اور دعاؤں سے نوازتے سن ۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر بن کر جب واپس آیا تو مفتی صاحب بہت
خوش ہوئے اور فرمایا کہ اب یہیں مطب کرو میرا بھی یہی خیال تھا، چنانچہ قریب ہی اپنے مطب
کا آغاز کیا جسکی افتتاحی تقریب میں مفتی صاحب مولانا قاری محمد طیب صاحب کے ہمراہ
پیش پیش تھے، اس کے بعد بھی جب ملاقات ہوتی نہایت شفقت کے ساتھ خیریت پوچھتے
اور دعا میں دیتے، تب ہی ایک روز مجھے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کو گائڈ (GUIDE)
کی تکلیف ہے اور وہ کچھ دوا میں استعمال کرتے ہیں ایک روز مجھے فرمانے لگے یہ دوائیں
عرصہ سے استعمال کر رہا ہوں جسم میں خشکی ہونے لگی ہے، میں نے ان کی سب دوائیں بند
کر کے صرف ایک کیپسول تجویز کر دیا کچھ دن بعد ملاقات ہوئی تو اتفاقاً بتایا اس کے کچھ دن بعد
ہی مفتی صاحب کے گھر میں سے علیل ہو گئیں، دماغی دورے پڑنے لگے ایک روز مجھے گھر پر
بلایا اور فرمایا کہ ان کے لئے بھی کوئی دوا تجویز کروں میں نے دیکھنے کے بعد ان کے لئے بھی
سنجیدہ لکھ دیا، الحمد للہ اتفاقاً ہوا اور وہ دوا اخیر دم تک انکی چلتی رہی دسمبر ۱۹۷۷ء میں مفتی
صاحب کی اہلیہ پرفاجہ کا حملہ ہوا فوراً ہی میرے پاس آدمی بھیجا کہ مطلب کے بعد میں ان کو
دیکھ لوں میں گھر آیا تو مفتی صاحب کو کافی فکر مند پایا۔ عام حالات میں مفتی صاحب کے چہرے

سے کبھی یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ پریشان ہیں،

بہر حال انکو دیکھنے کے بعد کچھ دوا میں تجویز کی گئیں کچھ ٹسٹ کرائے گئے اس فالج میں ان کا چہرہ اور آدھا جسم مفلوج ہو چکا تھا ایک ہفتہ بعد پھر مجھے فون کیا کہ ابھی تک زیادہ فائدہ نہیں ملتا ہے کہ اس میں تقریباً چھ ہفتہ بعد صحیح شکل سامنے آئے گی علاج ہوتا رہا اور کافی حد تک افادہ ہو گیا۔ چار ہفتہ بعد میں بتایا کہ اب انھیں (PHYSIO THERAPY) ایک سیشن کی ضرورت ہے کچھ دن تو ایک ڈاکٹر صاحب آئے مگر مرض کی دماغی کیفیت کی وجہ سے وہ کچھ نہ کرا سکے اس لئے وہ سلسلہ پھر بند ہو گیا اور اہلیہ صاحبہ مستقل بستری سے لگ گئیں اس کے بعد سے ہی مفتی صاحب کو اکثر افسردہ دیکھا گیا یہ غالباً ۲۴ فروری ۱۹۸۲ء کا واقعہ ہے کہ مفتی صاحب کسی کانفرنس سے واپس آرہے تھے کہ لکھنؤ اور اعظم گڑھ کے درمیان کسی جگہ پر اچانک فالج کا حملہ ہوا اور طبیعت کافی بگڑ گئی لکھنؤ میں انکو گاڑی سے اتار کر فوراً مقامی ہسپتال میں داخل کر دیا گیا وہاں ڈاکٹروں نے امیر جنسی ادویات دیکر دہلی میں شرف سفر کا مشورہ دیا چنانچہ مفتی صاحب کو اگلے روز دہلی کے جی بی پنٹ ہسپتال میں داخل کر دیا گیا جہاں ڈاکٹروں کی ٹیم نے معائنہ کے بعد بہت سے ٹیسٹ لئے اور نہایت تندی سے علاج کیا، ۱۰ دن کے بعد حالت قدرے بہتر ہو گئی تو ان کو گھر واپس لے آیا گیا مفتی صاحب ہسپتال میں رہنے سے گریز کرتے تھے گھر آنے کے بعد پھر وہ میرے علاج میں آ گئے۔ گھر پر ہی ایک سیشن کا انتظام کیا گیا ایک ماہ بعد الحمد للہ زبان اس قابل ہو گئی کہ الفاظ صاف سمجھ میں آنے لگے رفتہ رفتہ ہاتھ بھی ٹھیک ہو گئے مگر ٹانگوں کی کمزوری رہی جس پر اکثر کہا کرتے بس ٹانگیں اور ٹھیک ہو جائیں تو میں بالکل ٹھیک ہوں، اس فالج میں مفتی صاحب غالباً ڈیڑھ برس صاحب فراش رہے ایک روز گھر سے فون آیا کہ میں آکر دیکھ لوں تاکہ میں کچھ تکلیف بتاتے ہیں میں نے دیکھا کہ بائیں آنکھ کی جڑ میں ایک چھوٹا سا دانہ ہے۔ دو تین روز دوا میں دیں مگر وہ دانہ تیزی سے بڑھتا گیا اسکی

شکل سے اندازہ ہوا یہ کوئی معمولی دانہ نہیں، بلکہ کینسر کی ابتدائے میں نے مفتی صاحب کے صاحبزادے محمد الرحمن عثمانی اپنے خدشہ کا اظہار کیا کہ اس کا لٹریٹ ہونا چاہئے اگلے دن میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں دکھایا گیا جہاں انھوں نے خون کے مختلف لٹریٹ لئے اور اسکی Bidsy لی گئی جس سے بدترین خدشات درست ثابت ہوئے اور کینسر تجویز کیا گیا اور فوری طور پر بجلیاں لگوانے کا مشورہ دیا گیا، گھر والوں کا خیال تھا کہ ابھی بجلیاں نہ لگوائی جائیں مگر میرے مشورہ پر سب راضی ہو گئے نہایت پابندی کے ساتھ بجلیوں کا کورس پورا کیا گیا اس کے بعد انجکشن تجویز کئے گئے جن کے لئے ہفتہ میں ایک بار میڈیکل انسٹی ٹیوٹ جانا ہوتا تھا اس تمام علاج سے مفتی صاحب کی صحت میں خاطر خواہ فائدہ ہوا اور وہ پہلے کی طرح بشارت نظر آنے لگے تقریباً سات ماہ تک یہ علاج چلتا رہا اچانک ایک روز جسم پر تین چار جگہ چھوٹی چھوٹی گلیٹیاں نظر آئیں مجھے دکھایا تو میں ہر پکڑ کر بیٹھ گیا کیونکہ وہ کینسر کی — (SECONDRIES) تھیں اور اس بات کی علامت تھی کہ وہ موزی مرض عارضی طور پر دب گیا تھا مگر اندر ہی اندر پھیلتا رہا پھر میڈیکل کورس جو ع کیا گیا جہاں اس بات کی تصدیق ہو گئی اب سب گھر والوں کی تشویش بڑھ گئی، مختلف معالجوں سے رجوع کیا گیا۔ اس وقت صفدر جنگ ہسپتال میں کینسر کے سب سے بڑے معالج پروفیسر ایم رحمان تھے میں ان کے گھر پہنچا، میرے ان سے تعلقات اس زمانے سے تھے جب میں خود صفدر جنگ میں تھا، اس کے بعد ان کے گھر کبھی کبھی جانا ہوتا تھا رحمان صاحب نے تمام رپوٹیں دیکھیں اور فرمایا کہ اب اس کا اختتام قریب ہے اور تقریباً لا علاج ہے پھر بھی فرمانے لگے جمعہ کو میرے یہاں لے آنا داخل کر کے دیکھیں کہ اور کیا کر سکتے ہیں۔ میں واپس آ گیا اگلے دن منگل تھا اچانک شام کو معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کی طبیعت بگڑ گئی ہے فوراً پہنچا دیکھا کہ یہ ہوش میں اور کچھ گلیٹیاں گلے میں بھی پھیل گئی ہیں جس کی وجہ سے کوئی چیز حلق سے نہیں اتر رہی ہے انجکشن کے بعد کچھ حالت سنبھلی مگر نیم ہوشی کی کیفیت رہی، میں نے Ryce ٹیوب

منگا کر ناک کے راستے سے معدہ میں داخل کر دیا، جس سے رقیق غذائی جانے لگی رات تقریباً ۱۱ بجے تک میں وہاں موجود رہا ان کے سب لڑکے اور رشتہ دار اور مفتی صاحب کے عقیدہ مند وہاں جمع ہو گئے گھر والوں کی خواہش تھی کہ اب ہسپتال نہ داخل کرایا جائے بلکہ گھر کو ہی ہسپتال بنا دیا جائے چنانچہ ان کو گھر پر ہی آکسیجن اور گلوکوز دیا جانے لگا اگلے دن ۱۱ مئی ۱۹۸۲ء بدھ کو صبح طبیعت خراب ہی رہی، تقریباً ۱۲ بجے دوپہر پھر ایک سیاہ رنگ کی قے ہوئی جس کے بعد حالت مزید بگڑنی شروع ہوئی، مطلب کے بعد پھر ہونچا، پھر کچھ انجکشن دیئے اور ان کی حالت میں افادہ دیکھ کر گھر واپس آ گیا، پندرہ منٹ بعد ہی پھر اطلاع آئی کہ پھر طبیعت بگڑ رہی ہے فوراً پہونچا تو دیکھا کہ مفتی صاحب ہم سب کو چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ میں نے سب نکلیاں ان کے جسم سے الگ کیں اور ان کو سیدھا لٹا کر چادر ڈال دی ہر طرف کہہ رہا تھا گھر والے سب برداشت کر رہے تھے مگر باہر شور تھا تھوڑی دیر بعد بازار گلی کو چے سیاہ خاشیے والے پوسٹروں سے ماتم کناں ہو گئیں ہر شخص افسردہ تھا ماحول افسردہ تھا گھر والے نہلانے اور دوسرے انتظامات میں مصروف ہو گئے اگلے روز صبح سویرے جامع مسجد میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور اس کے بعد لاکھوں لوگوں کے کاندھوں سے گزرتے ہوئے مفتی صاحب کو سپرد خاک کر دیا گیا یہی دنیا کا قاعدہ ہے انسان پیدا ہوتا ہے زندگی گزارتا ہے اور چلا جاتا ہے اسی کو دیکھ کر کسی نے کہا ہے ۔

موت اسکی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس + ورنہ دنیا میں سمجھی آئے ہیں مرنے کیلئے
 آج مفتی صاحب ہم میں نہیں انکی نرم اور شائستہ گفتگو ہر وقت انکی یاد دلاتی ہے جب
 ان کا تصور آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب مخاطب ہیں اور کہہ رہے ہیں
 ”کہئے مزاج تو اچھے ہیں“

حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی

ایک بعض خطوط کی روشنی میں

* مولانا حکیم محمد عرفان الحسینی *

رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں: ”موت سے کسی کو مفر نہیں“ لیکن جو لوگ مٹی مقادیر کی تائید و حصول میں تادم آخر کام کرتے رہتے ہیں وہ کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ پائیں ان کی وفات قبل از وقت اور تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے“ (گنجائے گرانمایہ)

حضرت مفتی عتیق الرحمن رحمۃ اللہ علیہ پر یہ جملہ مکمل طور پر صادق آتا ہے مفتی صاحب نے اپنی زندگی ملک و ملت کی خدمت ہی کے لئے وقف کر دی تھی۔

حضرت مفتی صاحب ایک بڑے باپ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی (جن کے قلم سے ایک لاکھ اٹھارہ ہزار فتوے لکھے گئے) کے بڑے بیٹے تھے، مفتی صاحب کی پیدائش ۱۳۱۹ھ ہجری میں دیوبند میں ہوئی، تاریخی نام ”ظفر الحق“ ہے، ۹ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا، شروع سے اخیر تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اور ۱۳۴۱ھ ہجری میں فارغ التحصیل ہوئے دو سال وہیں رہے، پھر دارالعلوم اسلامیہ ڈابھیل گجرات چلے گئے وہاں پانچ سال تک افتاء اور تدریس کے فرائض انجام دیئے ۱۹۳۰ء میں باقاعدہ سیاسی زندگی شروع کی اور انڈین نیشنل کانگریس کی تحریک نمک سازی کے زمانہ میں سیاسی دلچسپی کے باعث ڈابھیل چھوڑ دیا اس دور میں ان کے دو اہم فتوے شائع ہوئے جنہوں